

میں کافی دیر ہے؟“

مسعود مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

چیتو نے کہا۔ ”لے ٹھیکری، چاند مکھن، چاند ہیرا۔ چاند چڑھ گیا، چڑھ گیا، نہ چڑھا، نہ چڑھا۔ نشہ جو ہوا۔ اس پر سب ہنسنے لگے۔

جب مسعود جوتا اتار کر دری پر بیٹھ گیا تو رکنے نے پوچھا۔ ”پھر کچھ ہو جائے چھوٹی سی بازی؟“

”لے واہ، چھوٹی کیوں لا لा۔“ کانے نے کہا۔ بازی ہو تو اگر بم ہو نہیں تو نہ سہی۔“

رکنا بولا۔ ”ہم تو اگر بم ہی کھیلتے ہیں لیکن با بوز رازم ہے۔ اس لیے لحاظ کرنا ہی پڑتا ہے۔“

لالو کانے کو یہ بات بہت بڑی لگی۔ اس نے کہا۔ شرع میں کیا شرم۔ بازی میں کیا لحاظ۔ بازی وہ جس میں چڑس ہو جائے۔“

مسعود نے کوئی جواب دیے بغیر دوسو کے نوٹ نکال کر دری پر رکھ دیے اور چوکڑی مار کر بیٹھ گیا۔ دیکھ لیا تو اونچی کر دی گئی اور بازی شروع ہو گئی۔ آخری پتادری پر پھینک کر مسعود نے رکنے کے آگے سے دو سبز نوٹ اٹھا کر اپنے نوٹوں پر رکھ لیے اور انھیں آگے دھکیل دیا۔

ریباں نے گردن پھیر کر کہا۔ ”تیرے صدقے، انگوٹھی بنوادے۔“

ڈھلن نے ڈکار لے کر کہا۔ ”تیرے صدقے، کنوں لگوادے۔ الثالثک کر مالک سے ملوں گا۔“

رکنے کیاڑی نے صدری سے سوسو کے چار نوٹ نکال کر اپنے سامنے رکھ لیے اور جھلا کر لالا سے کہنے لگا۔ کانے نیمٹ پنکھا تو کر، گرمی سے جان نکلی جا رہی ہے۔“

کانا نیمٹ پنکھا کرنے لگا تو مسعود نے ہاتھ سے اشارہ کر کے آہستہ سے کہا۔ ”ذر اہولے۔ دیانہ بجھ جائے۔“

اور پھر بازی شروع ہو گئی۔

دیدی بستر پر بے معنی سی کروٹیں بدل رہی تھی اور اس کے قریب آرام کرسی میں دراز امی چپ چاپ بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے وہی تپائی تھی جس پر مسعود چائے پی کر گیا تھا اور اب اس تپائی پر ایک کاپس اور کٹ کیٹ کا ایک پیکٹ پڑا تھا۔ دیدی جا گتے میں بڑ بڑا رہی تھی اور امی خاموشی سے اس کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ سن رہی تھی۔

بازی ختم ہو گئی اور مسعود نے رکنے کے چار سو سمیٹ کر اپنے نوٹوں میں ملا لیے۔ کانے نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے رکنے کو دیکھا اور بولا۔ ”لا لا!“

رکنے نے کہا۔ ”پھر کیا ہوا؟ ابھی تو بڑی مایا ہے۔ با بوكو جی بہلانے دے۔ اور اس نے دوسو کے نوٹ نکال کر آگے رکھ لیے۔

مسعود نے کہا۔ ”یوں نہیں۔ تخت یا تختہ۔“ اور پھر سارے نوٹ آگے دھکیل دیے۔

رکنے نے کہا۔ ”یوں تو یوں سہی،“ اور چھا اور سبز نوٹ نکال کر اگلے نوٹوں پر ڈال دیے۔ تاش کے پتے پھر انگلیوں پر ناچنے لگے۔ امی نے چور آنکھ سے دروازے کی طرف دیکھا اور ہولے سے کہا۔ ابھی تک آیا نہیں، پتہ نہیں کیا وجہ ہے۔ ”پھر اس نے کٹ کیٹ

کے پیکٹ کو انگلی سے دبا کر دیکھا جو گرمی کی وجہ سے ذرا الجلا ہو گیا تھا۔ ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس لا کر امی نے کٹ کیٹ کے پیکٹ پر چھڑ کا اور پھر کرسی پر دراز ہو گئی۔ دیدی نے قہر آلو دنگا ہوں سے امی کو دیکھا اور پھر کروٹ بدل لی۔

آخری پتہ چھکنے سے پہلے مسعود نے رکنے کے نوٹ پھر انٹھا لیے اور پتہ چوم کر اس کی گود میں پھینک دیا۔ لا لوکا نادم بخوبی پنکھا کیے جا رہا تھا۔ چیتو، ڈھلن اور بھمیری فرش پر سوئے ہوئے تھے اور ریپاں دیوار کے ساتھ لگی انگلہ رہی تھی۔

رکنے نے لا لوکی طرف دیکھا اور شرمندگی ٹالنے کے لیے دونوٹ نکال کر اپنے سامنے رکھ لیے۔ مسعود نے کہا۔ ”بس دوسو! کوئی اور جیب دیکھ لالا، شاید اس میں سبز پڑے ہوں۔“

لیکن رکنا کوئی اور جیب دیکھنے پر رضا مند نہ ہوا۔ لا لوکا نابولا۔ ”کل سبھی بابو۔ بوتی بند ہو جائے گی۔ لے ایک دس روپے کی گرمسیں یاروں کی بھی رہی۔“ اور اس نے رکنے کے دوسو پر دس اور کھدیے۔۔۔ تاش بانٹی جانے لگی۔

امی نے دیدی کے سر ہانے تلے ہاتھ پھیر کر گھری نکالی اور اپنے آپ سے کہا۔ ”ایک نج گیا!“

پھاٹک ذرا سا ہلا۔ امی تیز تیز قدم انٹھاتی ادھر گئی۔ اس نے لوٹ کھونے سے پہلے چوڑی دراڑ میں سے باہر جھاٹک کر دیکھا۔ ایک خارش زدہ کتا پھاٹک کے ساتھ اپنی کمر گڑھ رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر آ کر پھر اسی طرح بیٹھ گئی۔

بازی ختم ہو گئی اور مسعود نے دوسروپے انٹھا کر اپنے نوٹوں میں شامل کر لیے اور رکنے سے پوچھا۔ ”اور؟“ رکنے نے معنی خیز نگاہوں سے لا لوکو دیکھا اور منہ پوچھ کر بولا۔ ”بس!“

نوٹوں کی گذی بنا کر مسعود نے سامنے کی جیب میں ڈال لی۔ جوتا پہن کر کھڑا ہو گیا اور سوئے ہوئے بیچاروں پر نگاہ ڈال کر بولا۔ ”اچھا استاد، پھر سبھی پہلی تاریخ کو۔“

رکنے اور لا لو نے کوئی جواب نہ دیا اور مسعود خاموشی سے چل دیا۔ پھونس سے گذر کر اس نے تازہ ہوا میں ایک لمبا سانس لیا اور اندر ہیرے کی گود میں مڑتی ہوئی بے جان گلی کو دور تک محسوس کیا۔ پھر وہ اپنے گریبان کے بٹن کھولتے ہوئے آہستہ آہستہ چلنے لگا اور سوچنے لگا کہ یہ تو کل انٹھارہ سو ہوئے اور گلریز نے دو ہزار مانگے ہیں۔ باقی دوسو کا بندوبست کیونکر ہو گا اور وہ ابھی ان باقی دوسو کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ کسی نے اس کے گلے میں صاف ڈال کر اسے زمین پر گردایا۔ گرتے ہی ایک تیز دھار چاقو کا لمبا پھل اس کے سینے سے گذر کر دل میں اتر گیا۔

ایک آواز نے کہا۔ ”کانے بیٹھ ری کیا کیا۔۔۔ نوٹ نکال نوٹ۔“

کانے بیٹھ نے جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹ نکالنے کی کوشش کی مگر چاقو کا پھل نوٹوں کو پروتا ہوا پسیلوں میں پیوست ہو چکا تھا۔ اس نے زور لگاتے ہوئے کہا۔ ”لا لا نکلتے نہیں۔“ اور جب لا لا نوٹ نکالنے کو جھکا تو گلی کے دہانے ہر سپاہی نے سیٹیاں بجانے لگے اور وہ دونوں مسعود کو یونہی چھوڑ کر بھاگ گئے۔

مسعود نے زور لگا کر چاقو باہر نکالا اور اسے پرے پھینک۔ پھر اس نے خون آلو دنگا ہوں کی گذی جیب سے نکالی اور انٹھنے کی کوشش

کی مگر وہ اٹھنے سکا۔ پیٹ کے بل لیٹ کر اس نے نوٹ دائیں ہاتھ میں پکڑ لیے اور اپنا ہاتھ آگے پھیلا دیا۔ کہنی کو زمین پر دبا کر اس نے آگے گھسینا چاہا لیکن جو ہبی کہنی اس کے پہلو سے آ کر لگی اس کا متحاذ میں سے ٹکرایا اور اس کی جیب سے ایک کروشیا نکل کر باہر گرپڑا۔ مٹھی میں پکڑے ہوئے نوٹوں کو دیکھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”امی۔۔۔ می۔۔۔ میں۔۔۔ امی۔۔۔“ لہو کی آخری بوندز میں پر گری اور اس کی مٹھی ڈھیلی ہو گئی۔

امی نے مٹھنڈے پانی میں انگلی ڈبو کر ایک قطرہ کٹ کیٹ پر ٹپکاتے ہوا پنے آپ سے کہا۔ ”ابھی تک آیا نہیں!“